Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

نشاط فاطمہ کے افسانوں میں سیاسی کشمکش کے نتیجے میں قنوطی عناصر

POLITICAL UNREST AND ELEMENTS OF PESSIMISM IN FICTION WRITINGS OF NISHAT FATIMA

ڈاکٹر نازیہ یونس

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

نشاط فاطمہ اردو زبان و ادب کی ایک ممتاز اور معروف قلم کار ہیں۔ ان کی ادبی خدمات میں تنوع خصوصیات کی حامل قرار پاتا ہے۔ ان کی شاعری میں مایوسی اور نامیدی کو جس انداز سے برتا گیا ہے وہ یقینی طور پر ان کے فکر و فن کا خاص وصف ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کی سیاسی کشمکش کو اپنے افسانوی ادب میں اس انداز سے پیش کیا کہ وہ معاصر صورت حال کا بے لاگ بیانیہ بن کر سامنے آتا ہے۔

Nishat Fitima (1933-1995) is a renowened Urdu fiction writer. Her literatury work is diversified as her highlighlighted different aspect of human life. The eliments of disappointment can put, be seen in her writings. She belonged to such a class of writers, which are deeply associated with their surroundings and circumstances.

Keywords: *Nishat Fatima, Political unrest, Fiction writings, Research Articles, Pessimism in literature.*

کلیدی الفاظ:-نشاط فاطمہ، افسانہ نگار، مایوسی اور سیاسی کشمکش، قنوطیت،

برصغیر پاک و ہند میں تاجِ برطانیہ کے راج کے خاتمے کے ساتھ ہی بے انتہا تبدیلیاں برپاء ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں ہمہ جہت بھی تھیں اور ہمہ گیر بھی۔ یہ صورتِ حال زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ادب پر بھی بہت دور رس نتائج کی حامل ہوئی۔ چنانچہ اس پس منظر میں تقسیم ہند کے موقع پر برپا ہونے والے فسادات کی بازگشت جب ادبی منظر نامے پر سنائی دینے لگی تو ایسے شاہکار ادبی فن پارے تخلیق ہوئے جنہیں بجا طور پر عالمی ادب کی فہرست میں رکھا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے ادبی منظر نامے پر ابھی تقسیم ہند کے موقع پر ہونے والے فسادات کی رنگینی بہ مشکل خشک ہونے پائی تھی کہ تاریخ نے سانحہ مشرقی پاکستان کی شکل میں، ایک اور گہرا زخم قومی وجود پر داغ دیا۔ پے در پے ہونے والے سانحات نے ادباء کی تحریروں میں یاس اور نا امیدی کو بجا طور پر اجاگر کیا۔ نشاط فاطمہ بھی ایک سنجیدہ اور کہنہ مشق قلم کار ہونے کے ناطے اس ساری صورت حال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ چنانچہ ان کی افسانہ نگاری میں اس کا رنگ نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ان کے معاصر لکھنے والوں میں رضیہ بٹ، فصیح احمد، ابراہیم جلیس، اختر جمال، فرخندہ لودھی، اے خیام، انور عنایت اللہ، انتظار حسین، اے حمید، وغیرہ کے نام نمایاں ترین ہیں۔ نشاط فاطمہ (1995ء-1933ء) اپنے عہد کی ادبی صورت حال پر گہری اور باریک بین نگاہ رکھنے والی ایک معتبر اور منفرد قلم کار ہیں۔ (2) ان کے ہاں اپنے زمانے کے اہم مسائل کے شعور اور اس کے بے باک اظہار کی صلاحیت اعلیٰ درجے میں موجود ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں اپنے زمانے کے تلخ حقائق کو درست تناظر میں پیش کیا ہے۔ کوئی بھی ادیب اپنے سماج یا معاشرے کا انتہائی حساس انسان ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر اپنے دور کے معاشرتی مسائل پر دوسروں سے زیادہ توجہ رکھتا ہے اور اپنے دور کے بارے میں سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے ہر دور میں ادیب ایک ذمہ دار اور محب وطن شہری کی حیثیت سے اپنے دور کے سماجی اور سیاسی معاملات کے بارے اپنا جداگانہ بیانیہ اور نقطہ نظر رکھتا ہے۔ (2)

نشاط فاطمہ انسانی زندگی کے سفاک اور کرب ناک حقائق کی ترجمان ہیں۔ روح عصر اور سماجی الٹ پلٹ پر ان کی بڑی گہری اور مسلسل نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا جملہ ادبی ذخیرہ اس بات کا بجا طور پر اظہار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ (3) ان حقائق کے پیشِ نظر ان کی افسانہ نگاری میں مایوسی اور یاسیت کا اظہار دراصل ان کے عہد کے مجموعی ماحول کا ترجمان قرار پاتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستانی قوم کو ہجرت کے موقع پر ہونے والے اندوہناک فسادات، 1948ء کی پاک بھارت جنگ و مابعد کشیدگی، مہاجرین کی آمد سے متعلقہ مشکلات اور معاشی کسمپرسی جیسے لاتعداد مسائل کا سامنا رہا ہے۔ اپنے آباواجداد کی سرزمین پر صدیوں سے، رہنے والوں کا انخلاء بلاشبہ ایک ناخوشگوار ترین عمل ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کے واقعات اور صورتحال کی عکاسی فاضل مصنفہ نے اپنے افسانوں "گم کردہ راہ منزل"، "انسان کی تلاش"، "وقت کی صلیب"، "بھربھری ریت کا طوفان" میں کی ہے۔ جب کہ سانحہ مشرقی پاکستان کے دوران پیش آنے والے دلخراش واقعات کو اپنے افسانوی مجموعوں "انسان کی تلاش" اور چاند ڈوب گیا" میں پیش کیا۔ "وقت کی صلیب" ان کا شاہکار افسانہ ہے جس میں انہوں نے ایک ایسی خاتون کی کہانی پیش کی ہے جو بیوگی میں اپنے بچوں کی نا صرف کفالت کرتی ہے بلکہ ان کی بہترین تعلیم و تربیت کے لئے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دیتی ہے۔ شومئ قسمت کہ جب اس کی اولاد کسی قابل ہو کر بلند مقام پر پہنچتی ہے تو وہ اسی ماں کی ناقدری کرتی ہے، جو اس کی کامیابیوں کی بنیادی وجہ تھی۔ بادی النظر میں یہ کہانی اس مایوسی اور کرب کا اظہار ہے جس میں ایک لاچار و بے بس عورت کو وطن سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کہ مادرِ وطن اپنے بچوں پر جان چھڑکتی ہے مگر اسی دھرتی ماں کے بچے اپنا قرض اتارنے کے بجائے ایسی

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

روش پر چل نکلتے ہیں کہ جو ملک کی بدنامی اور جگ ہنسائی پر منتج ہوتا ہے۔ افسانہ "بھر بھری رات کا طوفان" بھی علامتی پیرائے میں مایوسی اور یاسیت کو اپنی مکمل شکل میں ظاہر کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ علم و شعور کا حصول صرف اور صرف مالدار طبقے کے لئے ہی مخصوص کر دیا گیا ہے۔ زیر دست طبقات کو نان و جویں کے گھن چکر میں الجھا کر ان کی صلاحیتوں کو بحق اشرافیہ استعمال کیا جانا، سماجی بے چینی اور عدم اطمینان کی وجہ بنتا ہے۔ اسی پس منظر میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے معاشی حالات زیرِ بحث لاتے ہوئے، دونوں علاقوں میں تعلیمی پس ماندگی اور بے شعوری کو سامنے لا کر مایوسی اور یاسیت پیدا کرنے والے بنیادی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ "گم کردہ رہِ منزل"، انسان کی تلاش"، "مزدور"، "آج کے غم کے نام"، "ایک ساعت"، "دل گرفتہ لوگ"، کرپان ہلکی ہوگئی" اور "وقت فتنہ گر" جیسے افسانوں میں مایوسی کو اظہار دراصل اپنے عہد کے حالات کی عکاسی ہے۔ نشاط فاطمہ نے قیامِ پاکستان کے بعد تیسری دہائی میں پیش آمدہ مسائل کو بے باکی اور جراءت سے بیان کر کے اپنے عہد کی بے لاگ ترجمانی کی ہے۔

> "اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑنا کبھی بھی ایک خوشگوار تجربہ نہیں رہا اور ہنگامی حالات میں تو اس کی شدت اور بھی ازیت ناک ہوتی ہے۔ تاریخی حوالوں سے ثابت ہے کہ تقسیم کے بعد چند سالوں میں کم و بیش دو کروڑ انسانوں نے ہجرت کی۔ ہجرت کے المناک واقعات تاریخ کی کتابوں میں محفوظ رہے لیکن یہ محض ایک وقتی معاملہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اثرات برسوں باقی رہے۔" (4)

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی ادیب اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ ایک ادیب جس وقت ادب کی کسی بھی صنف کی تخلیق کر رہا ہوتا ہے اس وقت اپنے داخل سے زیادہ خارج کو مد نظر رکھتا ہے۔ پیش آمدہ حالات و واقعات دراصل اس کے ادب پارے کو زندگی سے ہم آہنگ کرنے میں مدو معاون ثابت ہوتے ہیں، بصورت دیگر وہ تحریر لفظوں کے ڈھیر سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ ادیب معاشرے کا انتہائی حساس فرد ہونے کے باعث اپنے زمانے کے سماجی امور کی بابت دوسروں سے زیادہ باخبر ہوتا ہے اور اپنے دور کے بارے میں سنجیدگی سے محسوس کرتا ہے۔ اسی بنیاد پر ادیب ایک ذمہ دار اور محب وطن شہری کی حیثیت سے اپنے دور کے سماجی اور سیاسی معاملات کے بارے اپنا مخصوص نظریہ اور موقف رکھتا ہے۔" (5)

قیام پاکستان کے پس منظر میں عوامی طبقے نے جو امیدیں زمام اقتدار سنبھالنے والوں سے باندھی تھیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مایوسی میں بدلنے لگیں۔ مایوسی کا پیدا ہونا، بنیادی طور پر علم نفسیات کا موضوع ہے، لیکن اسے انسانی فطرت کے دائرے سے باہر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مایوسی یا ناامیدی دراصل اس احساس کو کہتے ہیں، جو ایک شخص اپنی کسی خواہش کی تسکین نہ ہونے کے طور پر محسوس کرتا ہے۔ یعنی اگر ایک ایسا طالب علم امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے جس سے ایسی توقع نہ کی گئی ہو۔ یا اگر کوئی کھلاڑی کسی مقابلے میں اس طرح میدان چھوڑ دے جو اس کے شایانِ شان نہ ہو، تو ایسا رویہ مایوسی کو جنم دیتا ہے (6) قیام پاکستان کے بعد بھی کچھ ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ جس میں لوگوں کی امید ناامیدی اور مایوسی میں تبدیل ہوگئی۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم بھی اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:-

> "قیام پاکستان کے بعد خارجی مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ دی گئی لیکن باطنی مسائل پر توجہ کے لیے نہ وسائل تھے نہ فرصت۔ اس ہجرت کے موقع پر قوم کو باطنی سطح پر نئی داخلی ہم آہنگی و فنی ترتیب کی ضرورت تھی۔" (7)

ہجرت اور فسادات نے مل کر عام لوگوں کو ذہنی اور نفسیاتی سطح پر تناؤ کا شکار کر دیا۔ اس عرصے میں معصوم بچوں اور معاشرے کے کم زور افراد پر جو بہیمانہ مظالم ڈھائے گئے، اس کے وہ ہر گز سزاوار نہ تھے۔ نازک حالات میں غربت اور قحط کا بھی انھیں مقابلہ کرنا پڑا۔ بچوں پر بے پناہ تشدد ہوا، عورتوں پر مظالم ڈھائے گئے اور ان کی عصمت دری کی گئی۔ اس کیفیت نے لوگوں کو داخلی سطح پر جھنجوڑ کر رکھ دیا۔۔ ہجرت اور فسادات کی کہانی ان کے دل و دماغ پر نقش ہوگئی۔ وہ چاہ کر بھی اس خون کی ہولی کو بھول نہیں سکتے تھے جو ان کے سامنے رچائی گئی تھی۔ نشاط فاطمہ نے افسانے "بھر بھری ریت کا طوفان" میں ان لوگوں کے حالات اور کیفیات کا بڑی وضاحت سے جائزہ لیا ہے۔

مشرقی پاکستان کے عوام تقسیم ہند سے قبل بھی غربت اور افلاس کی چکی میں پس رہے تھے۔ غلامی کے اس دور میں بھی ان کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی یہ رویہ نئی مملکت کے قیام کے بعد تبدیل ہوا۔ مجموعی قومی پیداوار کا ایک بڑا حصہ ملک کے مغربی حصے پر صرف کر دیا جاتا تھا۔ اس سے مشرقی پاکستان کے عوام میں شدید مایوسی پھیل گئی۔ اس مایوسی کا تدارک یہ تھا کہ وسائل کی تقسیم اس بنیاد پر کی جائے جو مبنی بر عدل ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرقی پاکستان میں ترقی ہو اور وہاں کے لوگ انتظامی امور سنبھالیں اور مشرقی پاکستان کے وسائل مشرقی پاکستان میں ہی لگائے جائیں۔ جب انتظامی امور میں بھی مغربی پاکستان کے لوگوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا گیا تو ان کی انتظامی غفلت کی وجہ سے ہی شہروں کے حالات خراب ہوئے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی مجموعی آبادی بہت زیادہ تھی۔ سقوطِ ڈھاکہ سے کراچی جیسا شہر بھی متاثر ہوا یہاں پر بھی لوگ طرح طرح کی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ ہجرت اور فسادات نے کراچی کے امن کو بھی متاثر کیا تھا۔

نشاط فاطمہ اپنے افسانے میں سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں افراد کے مسائل اور ان کے حقوق کے دفاع کو موضوع بناتی ہیں۔ ایک حساس فنکار کی طرح انھوں نے معاشرے کی صورتحال کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔ ان حقائق اور تلخ یادوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کے مختلف افسانوں میں سقوطِ ڈھاکہ کی عملی تصویر نظر آتی ہے۔ تحریک پاکستان کے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تناظر میں ڈھاکہ کی سرزمین سے متحد ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور ایک نظریاتی جنگ لڑنے کا اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ صبح کے دوست شام کو دشمن بن گئے۔

"میں نے لمحہ لمحہ پل پل لوگوں کو بدلتے دیکھا، پھولوں کو مرجھائے معصوموں کو سلگتے، حسین چہروں کو مسخ ہوتے اور شہروں کو بہت سوگوار، جہاں کبھی مایوسی نہیں ہوتی تھی، جہاں کے رنگ کبھی پھیکے نہیں پڑنے تھے۔"(8)

خود اپنے ہاتھوں سے بسائی ہوئی خوبصورت بستی سے پھر ایک نئی بستی کی طرف ہجرت ایک نیا عجیب سا تجربہ تھا۔ اس خود ساختہ ہجرت کی وجہ خود غرضی، آپس میں نا اتفاقی، حکمرانوں کی عیش پرستی، ملکی وسائل کا ضیاع، مشرقی پاکستان کے لوگوں سے لاتعلقی، مغربی پاکستان کے حکمرانوں کی ہٹ دھرمی وغیرہ ایسی وجوہات تھیں جس نے ہجرت کے بعد ایک نئی ہجرت اور فسادات کے بعد نئے فسادات کی راہ ہموار کی۔ شہروں کی آبادی کے دباؤ میں اضافہ تھا۔ آئے روز لوگوں کو روزگار کی سہولتیں نہیں مل رہی تھیں حتیٰ کہ اقلیتوں کے حقوق تک پامال ہو رہے تھے۔ اس ساری صورتحال کی وجہ سے لوگ اذیت میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ سکون اور امن کی تلاش میں مارے مارے پھیر رہے تھے:

"کرہ ارض پر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ظلم نہ ہو رہا ہو اور خون نہ بہہ رہا ہو۔ نمیبیا، فلسطین، کشمیر اور افغانستان اور جانے کہاں کہاں، خداوند تو چاہئے تو ظلم کو بند کر سکتا ہے۔"(9)

نشاط فاطمہ اپنے افسانے میں سقوطِ ڈھاکہ کے پس منظر میں انسانی مسائل اور ان کے ممکنہ حل کو اپنا مطمع نظر بناتی ہیں۔ ایک ذمہ دار قلم کار کی مانند انھوں نے سماج کی حالت کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا اور ان تاریخی حقائق کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا جو ان کے شایانِ شان تھا۔ ان کے مختلف افسانوں میں سقوطِ ڈھاکہ کی عملی تصویر نظر آتی ہے۔ بقول شخصے کہ گزرتے وقت کا ساتھ لوگوں کے سوچنے کا انداز تبدیل ہو رہا تھا، گلوں کے مرجھانے اور معصوموں کو سلگتے، حسین چہروں کو مسخ ہوتے اور شہروں کو بہت سوگوار، جہاں کبھی مایوسی نہیں ہوتی تھی، جہاں کے رنگ کبھی پھیکے نہیں پڑنے تھے۔"(10)

حقیقی زندگی میں بہت سے لوگ پاکستان میں شامل تو ہو گئے لیکن ان کے ذہن میں دکھوں اور تلخ یادوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن لوگوں کی عصمتیں اور گھر بار سب لٹ گئے تھے۔ وہ قیامِ پاکستان کے بعد ایک خوشحال زندگی گزارنے کے خواہاں تھے لیکن جب ان کا معیار زندگی ان کی توقعات کے مطابق نہ گزرا تو انہیں سخت مایوسی اور پریشانی ہوئی۔ مجبوراً وہ اس ملک کو چھوڑ کر مشرقی پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نشاط فاطمہ نے پاکستان کو درپیش مسائل کی عکاسی کرتے ہوئے جذباتیت اور ہجرت کے تکلیف دہ لمحات کے ساتھ ساتھ اس دور کے لوگوں کی ذہنی کیفیت کا نقشہ کھنچا ہے۔ یہ نقشہ کہیں اشاروں کی صورت میں اور کہیں براہ راست کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ افسانہ "مزدور" کے اندر نشاط فاطمہ نے گھر سے بے گھر ہونے کی صورتحال کی عکاسی کی ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو زبان، مذہب اور دیگر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر آپس میں الجھ گئے۔ اس کی عکاسی نشاط فاطمہ نے یوں کی ہے:

"اور آخر آپ کیوں چاہتے ہیں کہ سب گھر بار چھوڑ کر ایک نئے ملک میں جا بسیں اور گھر سے بے گھر ہوں"(11)

اپنے ہی گھر سے بے گھر ہونا انسان کے لیے کافی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ آبائی مٹی سے اس کے اور اس کے آباؤاجداد کی یادیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کی مسحور کن مہک انسان فراموش نہیں کر سکتا۔ نشاط فاطمہ نے افسانہ "مزدور" میں اسی دکھ اور تکلیف کو بیان کیا ہے کہ ہجرت کے دوران جب معاشی پسماندگی سے تنگ آ کر لوگوں نے اپنی مٹی اور زمین کو خیر آباد کہنے کا فیصلہ کیا تو اس وقت ان کی پریشانی اور دکھ اس سے بڑھ کر اور کسی چیز میں اتنا نہیں تھا جتنا انہیں اپنی زمین اور اس سے جڑی یادوں کو چھوڑ کر جانے پر ہو رہا تھا۔ اس دکھ نے انہیں عمر بھر عجیب مایوسی اور بے چینی کا شکار رکھا۔ نشاط فاطمہ نے ثقافتی سرمائے کو ایک جدید انداز میں سامنے لانے کی سعی کی ہے۔ مایوسی کا شکار عوامی طبقہ ایک بار پھر لوٹ مار کا شکار ہونے والا تھا۔ فسادات کی صورت میں انھیں پھر ایک مرتبہ ہجرت نظر آنے لگی۔ وہ دکھوں اور تکالیفوں کی وجہ سے پھٹ پڑے کہ اب ہم دوبارہ اس زمین کو کیسے چھوڑیں جہاں پر ہمارے آباؤاجداد کی قبریں ہیں اور بہت سارے ایسے عزیز و اقارب ہیں جو یہاں آباد بھی ہے۔ ہماری زمینوں اور جائیدوں میں بہت سے لوگ ہمارے ساتھ جڑے ہیں جو ہم پر ہی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ ہم کسی صورت میں بھی دوسری ہجرت کے متمنی نہیں ہو سکتے۔ یہ ہمارے لیے ایک مشکل صورتحال ہو گئی۔ نشاط فاطمہ نے شہری زندگی کی منافقت، چور بازاری، ریاکاری کی صورتحال کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس سے انسانوں کی اصل پہچان اور شناخت ختم ہو جاتی ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے دوران معاشرے میں رہنے والے لوگ اس قدر بے بس ہو گئے تھے کہ وہ اپنوں ہی کی وجہ سے آئے روز معاشرتی مسائل کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے تھے۔

"انسان کی تلاش" میں سقوط ڈھاکہ کے دوران مشرقی پاکستان سے ہجرت کر کے مغربی پاکستان آنے والے خاندانوں کی کیفیت کو اجاگر کیا گیا جو گہرے رنج اور دکھ میں مبتلا ہیں۔ افسانہ "انسان کی تلاش" میں دو خاندانوں کا ذکر ہے جو سقوط ڈھاکہ سے قبل مشرقی پاکستان میں رہتے تھے۔ مشرقی پاکستان کے حالات خراب ہونے کے بعد وہ مغربی پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس ہجرت کے دوران انہیں بہت زیادہ مشکلات پیش آئیں ہیں۔ بہت ساری آزمائشوں سے انہیں گزرنا پڑتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے وطن سے جڑی یادوں کو یاد کرتے ہیں۔ انہیں اپنی مٹی سے بہت زیادہ پیار اور محبت ہے۔ جس کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان ہجرت کرنے والے ان دونوں خاندانوں کے افراد کی دکھ بھری داستان ایک جیسی نظر آتی ہے۔ وہ ہر وقت اپنے علاقے کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس علاقے کے اندر گزرے ہوئے وقت اور علاقے کے لوگوں سے جڑی ہوئی

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یادوں کو یاد کرتے رہتے ہیں۔انھیں امید ہے کہ مستقبل میں حالات بہتر ہونے کی صورت میں وہ واپس اپنے علاقے کی طرف چلے جائیں گئے۔ آخر کار وہ ان کا وطن ہے۔اب اور ان میں قوت برداشت نہیں ہے کہ وہ وطن کی مٹی سے دور رہیں۔نازیہ ملک لکھتی ہیں:

"یہ ہجرت عارضی تھی۔جب حالات بہتر ہو جائیں تو لوگ واپس اپنے گھروں میں آجائیں گے اور حالات معمول کے مطابق ہو جائیں گے۔لیکن یہ صرف لوگوں کا خیال ہی تھا حالات دن بدن تیزی سے بگڑتے چلے گئے اور لوگوں کو مجبوراً ہجرت کرنی پڑی بہت سے لوگوں نے عین وقت پر اتنی جلدی میں گھر بار چھوڑ کر انھیں اپنی جانیں بچانے کے علاوہ کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔بہت سے لوگ پیدل قافلوں کی شکل میں ہجرت کر کے پہنچے اور کچھ لٹے پٹے ٹرینوں میں یہاں پہنچے۔انھیں بنیادی مسائل مثلاً خوراک،لباس اور رہائش جیسے مسائل درپیش آئے۔"(12)

نشاط فاطمہ سقوط ڈھاکہ کے واقعے کے پس منظر میں دکھ اور افسوس کا اظہار کرتی ہیں کہ یہ وہ پاکستان تھا کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے بڑی جدوجہد کی۔"اکن میاں" جیسے کردار اس پاکستان کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔پاکستان سے محبت کرنے والے ایسے لوگوں نے اپنے نئے جوتوں کو بیچ کر اور اپنا پیٹ کاٹ کر مسلم لیگ کے چندے میں پیسے دے دیے لیکن سقوط ڈھاکہ میں ایک ہی ملک کے مسلمان ہی مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور اپنے ہی گھر کو اپنے ہاتھوں سے توڑ بیٹھے۔اپنے ملک کے خلاف دشمن کی سازشوں کا شکار ہو گئے۔حالانکہ اس ملک کی خوشحالی کے لیے "اکن میاں" جیسے کئی کرداروں نے خواب دیکھے تھے کہ یہ ملک مسلمانوں کی پہچان ہو گا۔لیکن بدقسمتی سے ملک دشمن سازشی عناصر اپنی چال میں کامیاب ہو گئے۔مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف ایسے ورغلایا گیا۔مسلمان ایک بار پھر ملک کو تقسیم کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔یہ جدوجہد اس حوالے سے عجیب تھی کہ اس میں مسلمانوں نے مسلمانوں کے خلاف ہی جنگ کی اور اپنے ہی گھر کو اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کر کے "اکن میاں" جیسے محب الوطن لوگوں کے آرمانوں پر پانی پھیر دیا۔

نشاط فاطمہ افسانہ "مزدور" میں ایک اور تلخ حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ ویسے تو تحریک پاکستان میں بہت سارے لوگوں نے حصّہ لیا اور قربانیاں دیں مگر کچھ ایسے کردار بھی تھے جنہوں نے سچے دل سے ایک مزدور کی حیثیت سے قائد اعظم کے شانہ بشانہ کام کیا۔جلسے جلسوں میں سختیاں برداشت کیں۔ہندوستان میں مسلمانوں کا عملی طور پر ساتھ دیا۔مگر قیام پاکستان کے بعد بعض وجوہات کی وجہ سے وہ نئے ملک میں نہیں آسکے۔حالانکہ نئے ملک میں امن و سکون کی زندگی گزارنے کے لیے سب سے پہلے حق ان کا تھا۔"اکن میاں" ایک ایسا کردار ہے جس نے مسلم لیگ کی خاطر سختیاں برداشت کیں۔مسلمانوں کو تحریک آزادی کے لیے تیار کیا۔نظریاتی محبت دل و جان سے کی۔لیکن قیام پاکستان کے بعد پاکستان نہیں آسکے۔حالانکہ ایسے لوگوں کا پاکستان کی سرزمین پر زیادہ حق تھا:

"نہیں بیٹا پاکستان ایک نوخیز ملک ہے۔اس کو جوان اور نئے لوگوں کی ضرورت ہے۔میں بیمار ہوں پاکستان پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔اس وقت پاکستان کو مضبوط،محنتی اور ان تھک کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔میں اتنا کام کہاں کر سکتا ہوں۔"(13)

افسانہ "کرپان ہلکی ہو گئی" ایک ایسا شاہکار افسانہ ہے جس میں فسادات کی بربریت کے دوران انسان دوستی کی کہانی ملتی ہے۔فسادات کے دوران حالات اتنے خراب ہو رہے تھے کہ کچھ لوگ آپس میں ہی گفتگو کر رہے تھے کہ یہ کیسی آزادی ہے جس میں اپنے ہی اپنوں کے دشمن بنے ہوئے تھے۔فسادات کے دوران قافلے کے قافلے موت کی گھاٹ اُترنے لگے لیکن ان مشکل حالات کے ذمہ دار مشرق اور مغرب کے مسلمان تھے۔مشرقی مسلمانوں کی طرف سے بھی مغربی مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔مغربی پاکستان والے بھی مشرقی پاکستان کے علاقوں پر ٹوٹ پڑے۔فسادات کے نتیجے میں ظلم کی سب سے خوف ناک صورتحال یہ تھی کہ آزادی کے حقوق کے لیے لڑی جانے والی لڑائیوں نے امن وامان کو ختم کر دیا تھا۔فسادات کے نتیجے میں امن و سکون تباہ و برباد ہو گیا۔باہمی اتحاد ختم ہو گیا۔معیشت کا پہیہ کمزور ہو گیا جس سے آپس میں پیدا ہونے والے جذبات بالآخر مصیبتوں کے زوال کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔الغرض پاکستان کی مخصوص صورتحال اور مختلف ادوار میں دونوں صوبوں کے درمیان بڑھتی ہوئی عدم مساوات،ہجرت کا کرب،معاشی پسماندگی،آپس میں بچھڑنے کا گہرا غم،افراد کی داخلی کیفیت اور صورتحال کو اس افسانہ میں سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

نشاط فاطمہ نے اپنے افسانے میں سقوطِ ڈھاکہ کے دروان فسادات،قتل وغارت گری،وحشت اور بربریت کے واقعات سے ایسے لوگوں کی داخلی کیفیت کی عکاسی کی ہے جو سقوطِ ڈھاکہ کے دوران نہ چاہتے ہوئے بھی ہجرت کرنے پہ مجبور ہو گئے۔جب لوگ فسادات کے دوران زخمی ہو کر ہسپتالوں میں پہنچے تو ہوش آنے کے بعد فوراً ہی سوال کرنے لگے کہ اب ہم کہاں جائیں؟کیا ہمارے مقدر میں ایسے ہی دکھ اور درد لکھے ہیں؟ہمیں تو ان حالات پر دکھ ہوتا ہے جن کے تحت ہم نے پہلے بھی اپنا وطن چھوڑا اور خطہ امن کو اپنا ملک سمجھا۔ہمارے آباؤ اجداد کی یادیں اس خطہ سے جڑی ہیں:

"اللہ کی ہی مرضی تھی بندہ کیا کر سکتا ہے میں اپنی زمین نہیں چھوڑ سکتا یہاں ہمارے پرکھوں کی قبریں ہیں اور ہمارے زندہ بھی ہیں اگر میں چلا جاؤں گا تو ناڈ کی زمینیں کوئی ہندو یا سکھ سنبھال لے گا ان غریب مسلمان کسانوں اور بہت سے ان لوگوں کا کیا ہو گا جو وہاں کام کرتے ہیں اور رہتے ہیں وہ ہم سے آس لگائے رہتے ہیں۔میں انھیں کسمپرسی میں اپنی زندگی میں چھوڑنے کی ہمت نہیں رکھتا۔"(14)

نشاط فاطمہ نے اس دور کے معاشرے کی تصویر کشی کی ہے اور ان تصاویر میں یوں رنگ بھرے ہیں کہ تمام تر احوال اپنی حقیقت سمیت قاری کے ذہن پر نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ان تمام حالات واقعات نے نشاط فاطمہ کو گہرا متاثر کیا اور وہی نقش ان کی تحریروں میں واضح نظر آتا ہے۔انہوں نے مختلف کرداروں کے ذریعے اس دور کے حالات اُجاگر

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کرنے کی کوشش کی ہے اور مختلف کرداروں کے ذریعے سقوط ڈھاکہ کے سانحے کے دوران حالات وواقعات، مناظر، ہجرت سے دوچار لوگوں کی کہانیاں، فسادات کی صورت میں لوگوں کو در پیش آنے والی پریشانیوں، دکھوں اور ان کی داخلی اور خارجی کیفیت کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ سقوط ڈھاکہ کی ساری کہانی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ دونوں افسانوی مجموعوں میں کرداروں کی پیش کش کا جائزہ سقوط ڈھاکہ کے تناظر میں نشاط فاطمہ کی افسانہ نگاری: کرداری تناظر میں تجزیاتی مطالعہ کے تناظر میں کیا گیا جس سے سقوط ڈھاکہ کی ساری صورتحال ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

افسانہ "گم کردہ رہ منزل" میں نشاط فاطمہ نے سقوط ڈھاکہ کے تناظر میں کراچی کی صورتحال کا نقشہ کھینچا ہے۔ کراچی کی صورتحال کی تصویر کشی کے لیے واحد متکلم کے کردار "خرگوش" کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ "زین" کا کردار جب "خرگوش" سے مخاطب ہوتا ہے تو "خرگوش" اسے دیکھ کے ڈر جاتا ہے اور ایک جھاڑی میں چھپ جاتا ہے۔ "خرگوش" کا کردار اگرچہ ایک علامتی کردار ہے جس نے شہر کے فسادات اور لوگوں کو دکھوں میں ڈھوبتے ہوئے دیکھا تھا۔

> "یہاں آدمی کا بہت خوف ہے۔ جب سے گئے ہو میں اسی جھاڑی میں چھپا بیٹھا رہتا ہوں۔ مبادا آدمی سے مڑ بھیڑ نہ ہو جائے۔ اچھا میرے ڈر کی تو خیر ہے یوں کہ میں تو ایک حقیر سا خرگوش ہوں۔ میں نے تو آدمی کو آدمی سے ڈرتے دیکھا۔"(۱۵)

نشاط فاطمہ کی افسانہ نگاری میں بجا طور پر مایوسی اور یاسیت کے نمونے جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل اس زمانے میں ہمارا سماج اخلاقی سطح پر ایسی زوال آمادہ روش کو اپنا چکا تھا جو عمومی طور پر مرعوب زدہ معاشروں کی پہچان ہوا کرتی ہے۔ مایوسی کی کیفیت پیدا ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جو وعدے اور عہد وپیمان عوام سے کیے گئے تھے، ان کے پورا ہونے کی کوئی صورت دور دور تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ نشاط فاطمہ نے اپنے گہرے عصری شعور اور وسعتِ نظری کی بدولت ایسے پر اثر انداز میں حقائق سے پردہ اٹھایا ہے جو بلاشبہ انھی کا خاصہ ہے۔ ان کے ہاں مایوسی اور یاسیت نے ان کی شخصیت پر کسی بھی درجے میں کوئی بھی منفی اثر مرتب نہیں کیا۔ بلکہ فن اور فکر کی حدود کو اعلیٰ سطح استوار کرنے میں مددگار ثابت ہوا۔ یوں انہوں نے اپنی تخلیقی کاوشوں کو انسانی زندگی کا ترجمان بنا کر، ادبیت کے بلند مقام پر فائز کر دیا ہے۔

حوالہ جات

1- شہزاد منظر، ادب میں انتہاپسند رجحانات، مشمولہ، ماہنامہ فنون (مدیر: احمد ندیم قاسمی) لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴
2- زینت افشاں، ڈاکٹر، اردو فکشن پر سقوط ڈھاکہ کے اثرات، ادارہ یادگار غالب، کراچی، ۲۰۱۶ء، ص ۱۶۵
3- نورین رازق، ڈاکٹر، پاکستانی خواتین افسانہ نگار اردو افسانے کی روایت کے تناظر میں، دستاویز مطبوعات، لاہور س ن، ص ۴۳۷
4- شفیق انجم، ڈاکٹر، اردو افسانہ بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۷
5- شہزاد منظر، ادب میں انتہاپسند رجحانات، مشمولہ، ماہنامہ فنون (مدیر: احمد ندیم قاسمی) لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴
6- حمیرہ ہاشمی، ناصرہ فاروق، نفسیات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2007ء ص 772
7- ڈاکٹر فوزیہ اسلم فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۳۰۹
8- نشاط فاطمہ، ایک ساعت، مشمولہ چاند ڈوب گیا، ص ۵۱
9- نشاط فاطمہ، ایک لمحہ، مشمولہ انسان کی تلاش، ص ۲۱۱
10- نشاط فاطمہ، ایک ساعت، مشمولہ چاند ڈوب گیا، ص ۵۱
11- نشاط فاطمہ، مزدور، مشمولہ انسان کی تلاش، ص ۱۷۹
12- نازیہ ملک، پاکستانی اردو افسانے میں عصری آگہی: تجزیاتی مطالعہ، نیشنل یونیورسٹی ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۵۷
13- نشاط فاطمہ، مزدور، مشمولہ انسان کی تلاش، ص ۱۷۸
14- نشاط فاطمہ، کھنڈر، مشمولہ انسان کی تلاش، ص ۱۵۰
15- نشاط فاطمہ، گم کردہ راہ منزل، مشمولہ انسان کی تلاش، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۸